© rasailojaraid.com

سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات

(ایک مطالعہ)

محمد طفیل

اسلام ایک ایسا دین ہے جو انسان کی تمام ضرورتوں کو پورا کرتا اور ہر زمانہ میں انسان کو مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے انسان کے جسمانی امور ہوں یا روحانی ۔ سب کیلئے دینی ہدایت فراہم کرتا ہے۔

اگرچہ اسلام نے جو احکام فراہم کئے ان کا تعلق بیک وقت انسان کی جسمانی اور روحانی ضرورتوں کی تکمیل سے ہے تاہم بعض اہل علم نے ظاہری اور جسمانی امور سے متعلق احکام کو شریعت اور روحانی تربیت اور تزکیہ باطن کو طریقت قرار دیا ہے شریعت کے احکام کا علم رکھنے ، ان پر عمل درآمد کرانے اور ظاہری امور پر شریعت کی بالادستی قائم کرنے والے حضرات ,,علماء،، کے لقب سے سرفراز ہوئے جبکہ انسان کے باطن کی اصلاح کرنے والے اور انسان کا روحانی رشتہ اسکے خالق حقیقی سے جوڑنے والے ,,اہل تصوف،، یا ,,صوفیہ،، کہلائے ۔

اگرچہ دین کی خدمت کرنے والا ہر فرد بہت اہم اور لائق تحسین ہوتا ہے ۔ ,,کنتم خیر امة اخرجت للناس،، کے اس مقدس گروہ میں سے صوفیہ ممتاز مقام رکھتے ہیں ۔ یہ ایک ایسا گروہ ہے جو دنیا داری سے بے نیاز،محلات کی سیاست سے الگ تھلگ، صلہ و ستائش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تمنا کئے بغیر تزکیۂ قلوب کے عمل میں مصروف رهتا ہے۔

برصغیر کے حوالے سے اهل تصوف کی اهمیت مزید بڑھ جاتی ہے کیونکه اس خطے میں اسلام صوفیۂ کرام نے هی متعارف کرایا، انهیں کی تبلیغ اور حکیمانه دعوت و ارشاد کے نتیجے میں بیشمار افراد حلقه بگوش اسلام هوئے ۔ یه امر خاص طور پر قابل توجه ہے که جو افراد صوفیۂ کرام کی کوششوں کے نتیجه میں حلقه بگوش اسلام هوئے ۔ ان میں سے شاذ و نادر هی کوئی فرد دائره اسلام سے خارج هوا هو بلکه ان کی صحبت صالحه سے متأثر هو کر اسلام قبول کرنے والے افراد عمده مسلمان، بهترین شهری، بلند اخلاق انسان اور اعلی قدروں کے امین ثابت هوئے ۔ اور ان کے فیض یافته بےشمار افراد نے ترویج دین اور اشاعت اسلام کیلئے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔علماء اور صوفیه نے جهاں عام طبقه کے لوگوں کی اصلاح باطن کیلئے کوششیں کیں، وهاں سلاطین و امراء کی اصلاح پر بهی خصوصی توجه دی ۔ اِس وقت همارے پیش نظر اسی موضوع پر تحریر کی گئی ایک بلند پایۂ کتاب ,,هندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر،، ہے۔ یه کتاب برصغیر کے عظیم محقق، مؤرخ اور صوفی مولانا سید صباح الدین عبدالرحمن مرحوم کے رشحات قلم کا نتیجه ہے جسے دارالمصنفین، شبلی منزل، اعظم گڑھ (بهارت) نے ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء میں شائع کیا تها ۔ اس کتاب کی وجه تالیف خود فاضل مصنف نے ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

,,زیر نظر کتاب دراصل ایک مقاله ہے جو پروفیسر محمد مجیب، شیخ الجامعه ، جامعه ملیه اور مولانا عبدالسلام قدوائی، ناظم شعبه دینیات، جامعه ملیه کی دعوت پر لکها گیا ۔ اور وهاں ڈاکٹر سید عابد حسین کی صدارت میں پڑها گیا ۔ ،، (۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذکورہ بالا بیان سے واضح ہوتا ہے کہ زیر نظر کتاب کا نقش اول ایک توسیعی خطبہ کے طور پر مرتب ہوا، جو جامعہ ملیہ میں پڑھا گیا۔

بعد ازاں مروجہ علمی دستور کے مطابق یہ مقالہ برصغیر کے بلند پایۂ علمی مجلہ ,,معارف،، اعظم گڑھ میں قسط وار شائع ہوتا رہا اور اہل علم کی قیمتی آراء اور مشوروں کی روشنی میں مناسب حک و اضافے کے بعد کتاب کی شکل میں طبع ہوا۔

جیسا کہ کتاب کے نام سے عیاں ہے کہ اس کا موضوع بہت وسیع ہے۔ ایک طرف تو یہ کتاب برصغیر میں مسلمانوں کی ساڑھے چھ سو سالہ تاریخ کا احاطہ کرتی اور اس خطہ کے سیاسی اتار چڑھاؤ اور عروج و زوال کی داستان ہے تو دوسری جانب اس کتاب میں درج ذیل اہم موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

۱ ۔ صوفیۂ کرام اور سلاطین ہند کے تعلقات

۲ ۔ علمائے کرام اور ہندوستانی حکمرانوں کے باھمی روابط

۳ ۔ صوفیۂ کرام اور علمائے کرام کے باھمی مراسم ۔

اس کتاب کے موضوع پر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ زیر نظر موضوع نیا نہیں ہے اور نہ ھی مولانا سید صباح الدین مرحوم نے اس موضوع پر پہلی بار قلم اٹھایا ۔ بلکہ مسلمان حکمرانوں کے دور میں تاریخ کی جو کتابیں عموماً فارسی زبان میں مرتب ہوئیں یا سلاطین ہند کے جو روزنامچے لکھے جاتے رہے ، ان میں دیگر موضوعات کے ساتھ ساتھ سلاطین سے علماء اور مشائخ کے تعلقات کو خاص اہمیت دی جاتی رہی ۔ مسلمان بادشاہ کسی بزرگ یا عالم سے ملاقات کرتے یا صوفیہ اور علماء انھیں دین کی دعوت کی غرض سے کبھی ان سے کوئی رابطہ قائم فرماتے تو تاریخ نویس ایسے واقعات و حوادث کو خاص اہمیت دیتے اور اپنی تحریروں میں انھیں مناسب جگہ دیتے تھے ۔ جن کا سلسلہ تاریخ یمینی سے رقعات عالمگیری تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھیلا ہوا ہے چنانچہ یہی تواریخ اور طبع شدہ روزنامچے زیر نظر کتاب کے بنیادی مآخذ ہیں اور فاضل مصنف نے انہیں کتب سے استفادہ کیا اور زیادہ تر مواد انہیں فارسی کتب سے حاصل کیا ۔ مزید برآں فاضل مصنف کی زیر تبصرہ کوشش سے پہلے دیگر اہل علم اس موضوع پر بہت سی کتب ترتیب دے چکے ہیں ۔ ایسی کتب میں حضرت علی ھجویری کی کشف المحجوب، خواجہ نظام الدین اولیاء کی فوائد الفؤاد، شرف الدین یحیی منیری کے خطوط اور مولانا عبدالحق کی تصانیف کا خاص طور سے ذکر کیا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر علمائے کرام کے حالات و خدمات کو ضبط تحریر میں لانے کی کئی سنجیدہ کوششیں ہو چکی تھیں ۔ جن میں سے بعض یہ ہیں ۔

۱ ۔	علمائے ہند، مصنفہ عبدالرحمن	یہ کتاب فارسی میں لکھی گئی اس کا اردو ترجمہ طبع ہو چکا ہے۔
۲ ۔	علمائے ہند کا شاندار ماضی مصنفہ مولانا سید محمد میاں	یہ کتاب چار جلدوں میں اردو میں طبع ہوئی ۔
۳ ۔	شیخ محمد اکرام کا سلسلہ کوثریات	آب کوثر، رود کوثر اور موج کوثر مراد ہیں ۔
۴ ۔	ڈاکٹر زبید احمد	India's Contribution to Arabic Literature
۵ ۔	ڈاکٹر محمد اسحاق	India's Contribution to the Study of Hadith Literature
٦ ۔	,,حدائق الحنفیہ،، مصنفہ فقیر محمد جہلمی	یہ کتاب اردو زبان میں ہے اور حنفی فقہاء کے حالات سے بحث کرتی ہے اس کتاب میں برصغیر کے علماء کو مناسب مقام دیا گیا ہے۔

نیز علمائے کرام کے حالات بیان کرنے کیلئے دوسری انفرادی سوانح عمریاں اور اجتماعی تذکرے بھی طبع ہو چکے تھے ۔ اور زیر مطالعہ کتاب میں ان کے حوالے بھی ملتے ہیں ۔ اندازہ ہوتا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا سید صباح الدین مرحوم نے اپنی کتاب کا خام مواد انہیں مصادر سے حاصل کیا تھا ۔ یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ فاضل مصنف نے اس وسیع مواد کا گہرا مطالعہ کیا، اپنے موضوع سے متعلق مواد پوری دیانت اور ذمہ داری سے اکٹھا کیا اور پھر اس مواد کو جس عمدہ اور منظم و مرتب انداز میں پیش کیا یہ انہیں کا حصہ ہے۔ ان کی کوششوں سے اپنے موضوع پر ایک ایسی کتاب مرتب ہو گئی ہے جسے ہمیشہ مأخذ کی حیثیت حاصل رہے گی ۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد ہم کتاب کے مندرجات پر غور کرتے ہیں اور کوشش کریں گے کہ کتاب کے موضوعات سے قارئین کو متعارف کرا سکیں، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا اور کتاب کے نام سے بھی عیاں ہے کہ یہ کتاب اسلامی ہند کے مذہبی، ذہنی، فکری اور ضمناً سماجی اور ثقافتی حالات سے متعارف کراتی ہے۔ واضح رہے کہ یہ دور قریباً ساڑھے چھ سو سال پر محیط ہے جو تیرھویں صدی عیسوی سے شروع ہو کر انیسویں صدی عیسوی کے نصف اول تک پھیلا ہوا ہے اور اس طویل عرصہ میں ۴۸ بادشاہ سلطنت ہند کی مسند پر متمکن رہے ۔ جن میں دیندار، دین کا درد رکھنے والے، رند، بدمست اور دین سے لاپرواهی برتنے والے سبھی طرح کے سلاطین شامل ھیں ۔

اس جگہ ایک دلچسپ سوال یہ پیدا ھوتا ہے کہ برصغیر کے جس عہد پر ہم گفتگو کر رہے ھیں کیا وہ دور اسلامی تھا؟ اس دور کے حکمران مسلمانوں کے صحیح نمائندے تھے ، جو خلاف اسلام کوئی کام نہیں کرتے تھے؟ کیا اس وقت کا ھندوستان اسلامی سلطنت کہلا سکتا تھا یا نہیں؟ مختصر یہ کہ اس دور میں اسلام کی کیا حیثیت تھی؟ واضح رہے کہ ان نکات پر روشنی ڈالنے سے علمائے کرام اور مشائخ عظام کا منصب و مرتبہ متعین کرنے میں بھی مدد ملے گی ۔

یہ سوالات بہت ھی اھم ھیں ۔ ان کا جواب ھندوستانی مذھب و سیاست دونوں کے عمیق مطالعے کے بعد دیا جا سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو بادشاہ ہندوستان کی مسند حکومت پر متمکن ہوئے وہ اسلام کے نام لیوا تھے۔ انہوں نے نہ صرف اسلامی لقب اختیار کرنا ضروری خیال کیا بلکہ وہ بغداد میں مقیم مسلمان خلیفہ سے باقاعدہ اجازت نامہ بھی لیا کرتے تھے اور ان سے پروانہ تقرری بھی حاصل کیا کرتے تھے۔ وہ جو کچھ کرتے اسلام کے نام پر کرتے۔ ان میں سے جو بھی تخت نشین ہوتا، اسلامی روایات کے مطابق اپنے وقت کے امراء سے بیعت لیتا، وہ ناصر امیرالمؤمنین اور نائب امیر المومنین جیسے القاب سے اپنے ناموں کو مزین کرتے۔ وہ کوشاں رہتے کہ اپنے دور حکومت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام قائم کریں اور نظام احتساب کے قیام میں کوئی کوتاہی نہ کریں۔

ان کوششوں اور اسلامی خدمات کے باوجود ہندوستان کے حکمرانوں کو مسلمانوں کے نمائندہ تسلیم نہیں کیا جاتا، ان کے اسلامی کارناموں کو ان کی ذاتی نمود و نمائش قرار دیا جاتا ہے کیونکہ ان کی حکومتیں اسلامی معیار اور نظام عدل کے اصولوں پر قائم نہیں رہیں۔ حکمرانوں کی چھوٹی بڑی کمزوریوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز بھی کیا جائے تب بھی یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ سلاطین ہند جیسے بھی تھے وہ مسلمان مذہب پر قائم رہے۔ انہوں نے اپنے اپنے ادوار میں نفاذ اسلام کی حتی المقدور کوشش کی۔ انہیں کے ذریعے یہاں ہماری مذہبی اور ثقافتی تاریخ تشکیل پائی اور غیر مسلم مورخین انہیں کے کارناموں کی روشنی میں اسلام کا جائزہ لیتے ہیں۔

اس لئے سلاطین ہند کی اسلامی حیثیت متعین کرتے وقت ہمیں خاص احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں مسلمانوں کا نمائندہ تسلیم کرتے ہوئے ہندوستان کو ,,دارالسلام،، قرار دینا چاھئیے۔

علماء اور صوفیۂ کرام کو ہندوستان میں اشاعت اسلام کا جو سنہری موقع میسر آیا وہ بھی حکمران ہند کا مرھون منت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیونکہ غزنویوں کی آمد سے قبل شاذ و نادر ھی کوئی عالم دین یا صوفی تبلیغ اسلام کیلئے ہندوستان آیا ۔ یہ بادشاھوں کا لشکر تھا جس میں علماء اور صوفیۂ کرام کا ایک بڑا گروہ ہندوستان آیا اور انہوں نے یہاں تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دیا ۔ اسی طرح بادشاھان ہند ان علمائے کرام اور مشائخ عظام کی قدر دانی کرتے رہے جو مختلف مقامات سے ھجرت کر کے ہندوستان آ کر آباد ہوئے۔چنانچہ نیشاپور، صغان، غزنی، کاسان، بلخ، سجستان خوارزم اور تبریز وغیرہ سے علمائے کرام نے ھجرت کی اور ہندوستان میں آ کر مقیم ہوئے ۔ انہیں علمائے کرام کی بدولت ہندوستان میں اسلام کو عروج ملا ۔ یہ سلسلہ سلاطین دھلی اور مغلیہ دور تک قائم رہا ۔ نیز انہیں علماء اور فقہاء کے ساتھ۔ جو فقہ اسلامی ہند میں داخل ہوئی وھی یہاں رائج ہو گئی۔ جسکی مدون شکل فتاوی تاتار خانی اور فتاوی عالمگیری وغیرہ جیسی بلند پایہ کتب کی شکل میں موجود ہے ۔ اس طرح ہندوستان کے مسلم حکمرانوں نے بالواسطہ اسلام کی گراں قدر خدمت سرانجام دی ۔

علمائے کرام اپنی زندگیاں تبلیغ و اشاعت اسلام کیلئے وقف کر دیتے تھے اور وہ معاشرے کے مہذب، تعلیم یافتہ اور قادرالکلام طبقہ پر مشتمل ہوتے تھے نیز یہی گروہ علمی قیادت کرتا اور تعلیم دیتا تھا ۔ دین کی تبلیغ و اشاعت، بادشاھوں کو پند و نصائح کرنا ۔ سیاست جہانبانی کے اصول ہوں یا جنگ و صلح کے قوانین، مذھبی فرائض کی بجاآوری ہو یا معاشرتی وسماجی برائیوں کا قلع قمع ان سب امور کی بجا آوری میں علمائے کرام پیش پیش ہوتے ۔ اس لئے انہیں معاشرے میں ھمیشہ نمایاں مقام حاصل رہا ۔ اور وہ ایک ایسا مضبوط گروہ تسلیم کئے جاتے رہے ۔ چنانچہ جو حکمران اور بادشاہ ان سے خوشگوار تعلقات قائم رکھتے وہ حتی الوسع سر عام خلاف شریعت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کام نہ کرتے کیونکہ دین کے خادموں اور عوام کے دینی رھنماؤں کی حیثیت سے انہیں یہ اختیار حاصل ہوتا تھا ۔ کہ خلاف شریعت کام کرنے پر وہ حاکم وقت کا سر عام احتساب کریں اور حاکم و بادشاہ کو ان کے سامنے جواب دہ سمجھا جاتا تھا ۔ کیونکہ اگر کوئی حکمران اسلامی احکام کی خلاف ورزی کرتا اور علمائے کرام اس کی کوتاھیوں کی نشاندھی کر دیتے تو ایسے بادشاہ و سلاطین نہ صرف عوام میں اپنی عزت و وقار کھو بیٹھتے بلکہ ان کی حکومت کو بھی خطرہ لاحق ھو جاتا تھا۔چنانچہ پوری رواداری اور دبدبہ کے باوجود اکبر کی حکومت اور اس کا خود ساختہ دین الٰہی ہندوستان میں نہ پنپ سکے کیونکہ انہیں جمہور علماء کی تائید حاصل نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں علماء اور سلاطین کے خوشگوار تعلقات کا قیام وقت کی ایک اہم ضرورت تھی تاکہ حکمران اپنی حکومت قائم رکھ سکیں اور علمائے کرام کسی تصادم، مداخلت اور خلفشار کے بغیر اسلام کی ترویج و اشاعت کا فریضہ خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے رہیں ۔ (ملاحظہ کیجئے زیر تبصرہ کتاب ص ۵ ـ ۱۲)

سلاطین دھلی اور شاھان مغلیہ کے ادوار کا جائز لیا جائے تو معلوم ھوتا ہے کہ اس وقت کے علمائے کرام کو بہت سی اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔ پہلی قسم کے علمائے کرام میں وہ بلند پایہ اہل علم آتے ھیں جو حکمران طبقہ سے قطعاً میل جول نہیں رکھتے تھے ۔ ایسے علماء میں مولانا کمال الدین، مولانا عبدالرشید جونپوری، مولانا ابوالقاسم وغیرہ کے اسمائے گرامی ذکر کئے جا سکتے ھیں ۔ ان میں سے ہر ایک سے بادشاہ وقت نے خود رابطہ قائم کیا ۔ اور ان سے تعلقات استوار کرنے کی خواهش اور کوشش کی لیکن ان میں سے ہر ایک اپنی دھن میں اس قدر مگن تھا کہ کسی نے بادشاہ وقت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی پرواہ نہیں کی ۔ اور حکمرانوں سے بالکل روابط قائم نہیں کئے۔ اس بارے میں مولانا ابوالقاسم کے وہ حروف سونے کے پانی سے لکھے جانے کے قابل ہیں جو انہوں نے عالمگیر کی ان سے ملاقات کیلئے خواہش ظاہر کرنے کے جواب میں معمولی کاغذ پر تحریر فرمائے تھے ۔

,,اھل اللہ کا اس پر اجماع ہے کہ وہ فقیر بہت برا ہے جو کسی امیر کے آستانہ پر ہو ۔ حق سبحانہ فرماتا ہے کہ دنیاوی زندگی کا سرمایہ بہت ھی قلیل (۲) ہے۔ تم کو اس کا بھی قلیل ترین جزو ملا ہے۔ اگر بالفرض اس میں سے مجھے بھی دو گے تو وہ جزو لا یتجزّی ھوگا ۔ اس ٹکڑے کیلئے میں اپنے نام کو خداوند تعالی کے دفتر سے کیوں کٹواؤں ۔ چشت کے ملفوظات میں مذکور ہے کہ جس کا نام بادشاہ کے دفتر میں لکھا جاتا ہے۔ حق تعالی کے دفتر سے اس کا نام کٹ جاتا ہے،، (۳)

دوسری قسم کے علماء وہ تھے جو درس و تدریس کے بلند پایہ کام میں مشغول تھے ۔ ایسے علماء عام طور پر دین کی تعلیم دیتے تھے جس کا نصاب قرآن حکیم کی ابتدائی ناظرہ تدریس سے لیکر اعلی دینی تعلیم پر مشتمل ھوتا تھا ۔ اس غرض کیلئے ھندوستان کے کونے کونے میں دینی مدارس قائم تھے ۔ جن کی مالی اعانت عوام اور حکومت کی مشترکہ ذمہ داری ھوتی تھی چنانچہ قلقشندی کا بیان ہے کہ محمد بن تغلق کے زمانہ میں صرف دھلی میں ایک ہزار دینی مدارس قائم تھے ۔ جن میں سے ایک مدرسہ شوافع کا اور باقی سب احناف کے مدارس تھے ۔ (۴) فیروز شاہ کے دور میں مدرسہ فیروز شاھی قائم ھوا اکبر نے فتح پور سیکری میں ایک مدرسہ قائم کیا، عالمگیر نے تمام شہروں اور قصبات میں مدارس بنوائے اس طرح ھندوستان میں دینی مدارس کا ایک جال بچھا ھوا تھا ۔ جن کی تفصیل مظفر ندوی کی مشہور کتاب ,,ھندوستان کی قدیم دینی درس گاھیں،، میں دیکھی جا سکتی ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدارس کے علماء خاموشی سے درس و تدریس میں مشغول رہتے ۔ وہ منقولات و معقولات، یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، اصول دین، لغت، معانی، بدیع، بیان، منطق، کلام اور جملہ علوم و فنون کی تعلیم دیتے تھے ۔ جن کی بدولت ہندوستان میں بڑے بڑے نامور علماء پیدا ہوئے اور انہوں نے ہندوستان سے نکل کر بیرونی دنیا میں بھی نام پیدا کیا اور اپنی قابلیت کا لوہا منوایا ۔ نظام تعلیم کی تکمیل کے بعد جو نئے علماء فارغ ہوتے وہ پورے ملک میں پھیل کر دین کی خدمت کا فریضہ سر انجام دیتے ۔ اس طرح عوام کو دین کی تعلیم و رہنمائی ان کے اپنے علاقوں میں میسر آتی اور دینی تعلیم ھی اس وقت ایسی تعلیم تھی جو علماء کی کوششوں سے عوام کو ھر جگہ اپنے اپنے گھر پر حاصل ھوتی تھی ۔ چنانچہ مولانا سید صباح الدین عبدالرحمن رقم طراز ھیں ۔

,,ان علماء کے تلامذہ حصول تعلیم کے بعد ملک کے اطراف و جوانب میں پھیل جاتے،وھی عوام میں اسلام کے نقیب و محافظ ھوتے ۔ یہ جوش ایمانی سے معموز ھوتے تھے اور ضرورت کے وقت اسلام کیلئے اپنی جان تک قربان کر دیتے تھے ۔ یہ عوامی علماء عوام کو چھوٹے بڑے مذھبی مسائل سے واقف کراتے ۔ ان کی خلاف ورزی پر سختی کے ساتھ دار و گیر کرتے ۔ ان کے فتوؤں کا خوف عوام پر ایسا غالب رھتا تھا کہ گو وہ اپنی روز مرہ کی زندگی میں بہت سے غیر اسلامی اعمال کے مرتکب ھوتے مگر اسلام کو اپنے سینوں سے لگائے رکھنے میں اپنی دنیاوی فلاح اور اخروی نجات سمجھتے ۔ یہ ان ھی عوامی علماء کا فیض ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے مقامی اثرات تو ضرور قبول کئے ۔ لیکن اسلام سے بہت دور نہیں ھونے پائے،، (زیر نظر کتاب ص ١٦ ۔ ١٧) ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان دونوں اقسام کے علاوہ تیسری قسم کے علماء بھی ہوتے تھے - جو علماء دربار اور سلطنت سے اپنے روابط قائم رکھتے تھے - اور حکمران طبقہ کے ممد و معاون ہوتے تھے - گوشہ نشین اہل علم ایسے علماء کو پسند نہیں کرتے تھے اور انہیں دنیا دار اور جاہ پرست شمار کرتے تھے - جبکہ دربار سے وابستہ علمائے کرام کا موقف یہ ہوتا تھا کہ حکمران بھی انسان اور مسلمان ہوتے ہیں وہ بھی دینی رہنمائی اور تبلیغ کے محتاج ہیں اگر حکمران طبقہ کی اصلاح ہو جائے تو عوام کی اصلاح آسان ہوتی ہے کیونکہ ,,الناس علی دین ملوکھم (۵) ،، پر عمل کرتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ دربار سے وابسطہ علماء مجموعی طور پر دربار، حکومت اور حکمرانوں پر اثر انداز ہوئے - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ علمائے کرام نے جب بھی کسی حکمران کو خلاف شریعت کوئی کام کرتے ہوئے پایا - انہوں نے فوراً اس کی اصلاح کی کوشش کی اور بعض اوقات پوری سختی سے کام لیا اور دین کے تقدس کو بچانے اور دینی احکام کو نافذ کرتے وقت کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا - علماء کے درباری روابط سے منفی اور مثبت دونوں طرح کے اثرات مرتب ہوئے - آئندہ سطور میں اس کی ایک جھلک پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی -

یہ مشاہدہ ہے کہ دارالحکومت میں اہل علم و فن کثرت سے جمع ہوتے رہے - اسکی ایک وجہ تو مالی دشواریوں پر قابو پانا اور روزگار کا حصول ہوگا - لیکن اس کی بڑی وجہ یہ رہی کہ دارالحکومتوں میں ہی اہل علم و فن کی صحیح قدردانی، مقام شناسی اور پذیرائی ہوتی تھی - کیونکہ دارالحکومتوں میں دنیا کے تمام خطوں سے اہل ثروت آ کر جمع ہوتے اور اہل علم و فن کی صلاحیتوں اور کارناموں سے آگہی حاصل کرتے نیز عام طور پر اہل علم و فن بھی دارالحکومتوں کا رخ کرتے، تاکہ وہاں اپنے علم و فن کے جوہر دکھا کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی قابلیت کا لوہا منوا سکیں ۔ اس طرح علماء کرام اور اہل حکومت کے تعلقات دور قدیم سے نہ صرف استوار ہوتے رہے بلکہ پروان چڑھتے رہے ۔

علماء اور سلاطین کے روابط پر گہری نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تعلقات یک طرفہ نہیں ہوا کرتے تھے ۔ کہ صرف علماء یا سلاطین میں سے کوئی ایک طبقہ تعلقات استوار کرتا اور دوسرا فریق اس بارے میں گریزاں ہوتا تھا ۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علمائے کرام دینی فریضہ کی بجا آوری کے لئے اہل حکومت سے تعلقات استوار کرتے تاکہ انہیں دین کے قریب تر لا سکیں ۔ انہیں رسم حکمرانی اور احکام نگہبانی سے آگاہ کر سکیں ۔ جبکہ حکمرانوں کو نظام حکومت چلاتے وقت نت نئے مسائل کا سامنا ہوتا تھا ۔ انہیں بہت سے امور میں علمائے کرام کی رہنمائی اور مدد درکار ہوتی تھی ۔ نیز بادشاہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کیلئے بھی اہل علم کے محتاج ہوتے تھے ۔ اس طرح سے علمائے کرام اور اہل حکومت کے روابط استوار ہوتے اور پروان چڑھتے۔ ممکن ہے بعض علماء دنیوی جاہ و حشمت اور حصول منصب کیلئے بھی ارکان حکومت سے رابطے استوار کرتے ہوں ۔ لیکن اہل علم کی غالب اکثریت دینی فریضہ کی بجا آوری ، حاکم وقت کی اصلاح، رعایا کی بہتری اور اس کے کمزور طبقوں کی آواز ایوان حکومت تک پہنچانے کیلئے وہاں تک رسائی حاصل کرتی تھی ۔

اس طرح سے حکمرانوں اور علمائے کرام کے جو باہمی تعلقات قائم ہوئے ان کے بہت سے مثبت اثرات مرتب ہوئے۔ان میں سے ایک پہلو یہ ہے کہ مسند حکومت پر متمکن اصحاب کو جب کوئی دینی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ علمائے کرام کی طرف رجوع کرتے ۔ اور وہ پیش آمدہ مسائل پر پوری تحقیق، دینی جذبہ و ذمہ داری، لگن اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاصرانہ حالات و ضرورت کے مطابق کتب و رسائل تصنیف کرتے ۔ اس طرح بہت سی کتب وجود میں آئیں اور علمی سرمایہ میں بیش بہا اضافہ ہوا ۔ چنانچہ ایسی کتب کا جائزہ لیا جائے جو اہل حکومت کی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے تصنیف ہوئیں تو ان کی تعداد بہت زیادہ ہو گی ۔ اور یہ ایک دلچسپ مطالعہ ہو گا ۔ کیونکہ اس مطالعہ سے اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار کے مسائل اور ان مسائل کے تنوع کو زمانی ترتیب سے جمع کرنے میں مدد ملے گی اور یہ اندازہ بھی ہوگا، کہ اہل حکومت اور اہل علم کے تعلقات نے تہذیب و ثقافت ، علمیت اور انسانیت کو کیا کچھ عطا کیا۔اس میں زیر نظر کتاب سے بھرپور فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے ۔

یوں، تو علمائے کرام نے ہر موضوع پر اہل حکومت کو رہنمائی فراہم کی اور تصانیف یادگار چھوڑیں لیکن اہل علم اور اہل حکومت کے باہمی تعلقات سے ایک خاص علم وجود میں آیا ۔ یہ خاص علم آداب حکمرانی اور امور سلطنت کی نگہبانی اور رعایا کی بہبود، جنگ و صلح کے قوانین اور خارجی تعلقات جیسے موضوعات سے بحث کرتا ہے ۔ جسے اب باقاعدہ علم (Science) کا درجہ حاصل ہے ۔ ہماری مراد علم سیاست اور علم بین الاقوامی تعلقات سے ہے ۔ اس علم کا آغاز ھی اہل علم کی حکمرانوں کیلئے نصحیتوں سے ھوتا ہے چنانچہ اس موضوع پر جو کتب تصنیف کی گئیں انھیں جمع کر کے زیر مطالعہ لایا جائے تو اسلام میں حکمرانی کے اصول کھل کر سامنے آ جائیں گے اور اسلامی دنیا کے آج کے مسائل حل کرنے کیلئے بھی راہنمائی ملے گی ۔

اہل علم کے تصنیفی کارناموں کا جائزہ لیا جائے یا ان کی بادشاھوں سے مجالس کا تنقیدی مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ علماء کرام نے ھمیشہ جرأت اور صاف گوئی سے کام لیا ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھوں نے کسی دینی حکم کو نہ چھپایا اور نہ ھی اسکی دور از کار رفتہ تاویل کر کے حکمرانوں کو خوش کرنے کی کوشش کی چنانچہ علاؤالدین خلجی اپنی سختی کیلئے مشہور تھا، جب اس نے قاضی مغیث الدین سے بعض دینی اور فقھی استفسارات کئے تو انھوں نے بڑی بےباکی اور جرأت سے جوابات دینے اور کہا ,,کہ اگر بیت المال سے اپنے حق سے زیادہ مال لیا اور سونا اپنے حرم میں بھجوایا تو اس کی قیامت کے دن باز پرس ہو گی (٦) " ۔ ملا عبدالنبی اکبر کے دربار سے وابسطہ تھے ایک دفعہ اکبر نے اپنی سالگرہ کے موقعہ پر زعفرانی رنگ کے کپڑے پہنے تو ملا عبدالنبی نے سر دربار اس کی سرزنش کی تھی اس طرح اکبر نے جب دین الٰھی کے قیام کا اعلان کیا تو علمائے دین اور مفتیان شرع متین نے اکبر کے گمراہ اور بے دین ہونے کا فتوی صادر کیا جسکی پاداش میں انھیں جام شہادت نوش کرنا پڑا ۔ اس دور میں شیخ سرھندی کا کردار ایک صوفی کی عزیمت کا برمثال درس ہے ۔

اھل علم اور اھل حکومت کے تعلقات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ھندوستان میں جو بھی فتنے پیدا ہوئے، علماء کرام نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ۔ اھل حکومت کو ان فتنوں کی حقیقت سے مطلع کیا اور انھیں دور کرنے کی ھر ممکن کوشش کی ۔ ایسے امور میں فتنہ اباحت، فتنہ مہدویت، فرقہ روشنیہ اور اکبر کے دین الٰھی اور فتنہ فردوسی کا خاص طور سے ذکر کیا جا سکتا ہے ۔ اگر ان مذھبی نوعیت کے فتنوں کو فرو کرنے پر اھل علم مناسب توجہ نہ دیتے تو ھندوستان میں دین کی شکل مسخ ھو کر رہ جاتی ۔

اھل حکومت اور اھل علم کے مفید اور مثبت پہلوؤں کے ساتھ ساتھ بعض مضر اور منفی پہلوؤں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ان میں سے ایک پہلو یہ ہے۔ کہ خود علمائے کرام بہت ھی کم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امور پر متفق رہے ہیں ۔ ان میں اختلاف کا پیدا ہونا ایک معمول کی بات رہی اور کسی موضوع پر ان کا اتفـاق شاذ و نادر ہی ہوا ۔ جسکی وجہ سے ایک طرف تو وہ اپنی پوری قوت کو جمع کرنے کے باوجود نفاذ اسلام میں ناکام رہے ۔ برصغیر میں کبھی بھی اسلام مکمل طور پر نافذ نہ ہو سکا ۔ اگر معاملہ یہیں تک رہتا تب بھی قابل قبول تھا ۔ لیکن یہ بات بڑے دکھ کے ساتھ ذکر کی جاتی ہے کہ دین کے خلاف جو بھی تحریکیں اٹھیں ۔ اور دینی تعلیمات کو پامال کرنے کیلئے جن فتنوں اور گروہوں نے سر اٹھایا ان کی قیادت اور پشت پناہی بھی علمائے کرام ہی کرتے رہے ۔ جن کے منفی اثرات سے معاشرہ محفوظ نہ رہا اور حکمرانوں کو جب علمائے سو کی حمایت اور تائید حاصل ہوئی تو انہوں نے بےشمار ایسے کام کئے جو نہ صرف خلاف شریعت تھے بلکہ ان سے دینی جذبے اور مقصد کو نقصان پہنچا ۔ علمائے کرام نے تقلید کی جس شد و مد سے حمایت کی ۔ اس سے اندھی تقلید کو فروغ ملا اور تخلیقی عمل مجروح ہوا ۔

اب تک ہم نے علمائے کرام کی خدمات، ان کی مروجہ اقسام ان کے سلاطین کے تعلقات کا جـائزہ پیش کیا ۔ اہل علـم اور اهـل حکومت کے تعلقات کیوں اور کس طرح قائم ہوتے اور پروان چڑھتے رہے ؟ یہ موضوع بھی زیر بحث آیا نیز علمائے کرام اور حکمرانوں کے تعلقات کے مفید اور مضر پہلو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ۔ آئندہ سطور میں ہم صوفیۂ کرام اور سلاطین کے باہمی تعلقات زیر بحث لائیں گے ۔ اسی طرح ان کے تعلقات کے مفید اور مضر پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گے ۔

ہندوستان کے سیاسی، مذہبی اور ثقافتی تناظر میں دیکھا جائے ۔ تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اسلام کی دعوت و تبلیغ اور تصنیف و تالیف میں علمائے کرام نے بیمثال خدمات سرانجام دی ہیں ۔ ان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دینی کاوشیں، دینی حمیت و غیرت کے مظاھرے اور مذھبی حق گوئی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ لیکن دلوں کو دین کے لئے تسخیر کرنے، غیرمسلموں کو حلقہ بگوش اسلام کرنے، دینی رواداری کا عملی مظاھرہ کرنے اور مساوات محمدی کی اصلی اور عملی شکل پیش کرنے میں جو کردار صوفیۂ کرام نے ادا کیا وہ نہ صرف بہت نمایاں ہے بلکہ یہ صوفیۂ ھی تھے جو ھندوستان جیسے نہایت پیچیدہ معاشرتی اور سماجی نظام میں نہ صرف خود نمایاں رھے، بلکہ انہوں نے دوسرے مذاھب اور دھرموں کو ماننے والوں کے سامنے اپنے کردار و عمل کا ایسا نمونہ پیش کیا۔ کہ وہ اسلام کی حقانیت ، انسان دوستی رواداری اور مساوات کے قائل ھو کر حلقہ بگوش اسلام ھو گئے اور یہ حقیقت ہے کہ برصغیر میں اسلام صوفیۂ کرام کی بدولت پھیلا اور انھیں کی کوششوں کے نتیجہ میں باقی رھے گا۔

سوال یہ پیدا ھوتا ہے کہ صوفیۂ کرام کون ھیں؟ اور ان کے پاس وہ کونسی قوت ہے جسکے ذریعے وہ براہ راست انسانی قلب پر اثر انداز ھوتے اور اسے خالق حقیقی کی طرف پھیرنے میں کامیاب ھو جاتے ھیں۔

اگرچہ یہ بہت پیچیدہ سوالات ھیں لیکن ان کا جواب بہت ھی آسان ہے کیونکہ اگر ھم تصوف کی ماھیت اور صوفی کی حقیقت پر غور کریں تو اس مسئلہ کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

"اس امر پر اھل علم کا اتفاق ہے کہ تصوف اس اشتیاق کا نام ہے جو ایک انسان (صوفی) کے دل و دماغ پر اپنے خالق حقیقی (خدا) سے ملنے کیلئے اس شدت کے ساتھ طاری ھوتا ہے کہ وہ اس کی پوری عقلی اور جذباتی زندگی پر غالب آ جاتا ہے جس کے نتیجہ میں صوفی صرف اور صرف خدا ھی کو اپنا مقصود حیات بنا لیتا ہے اسی کی باتیں کرتا، اسی کو یاد کرتا اور ھر لمحہ اسی کا کلمہ پڑھتا ہے"۔ (۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علمائے کرام اور صوفیۂ عظام کے مابین اسی نقطہ سے فرق عیاں ہونا شروع ہو جاتا ہے کیونکہ علمائے کرام اپنے کو اطاعت الٰہی اور اسکے احکام کی بجا آوری تک محدود رکھتے ہیں اور ان کے سامنے جب بھی کوئی مسئلہ آتا ہے وہ اسکے ظاہری حالات و عوامل کے مطابق احکام جاری کرتے ہیں ۔ جبکہ مشائخ کرام جنہیں اہل اللہ (اللہ والے) بھی کہا جاتا ہے وہ اطاعت کی منزل عبور کر کے محبت اور عشق کی منزلیں طے کرتے ہیں اور ان کا منتہائے نظر یہ ہوتا ہے کہ وہ فنا فی اللہ کے بلند مرتبہ کو حاصل کریں ۔ اس مقصد کے حصول میں وہ اس قدر محو اور سرگرداں ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ خالق حقیقی کی یاد سے غفلت میں نہیں گزرتا ۔ ان کا ہاتھ کار میں مشغول ہوتا ہے تو ان کا دل خالق حقیقی کی یاد میں محو ہوتا ہے ۔

ایسے عاشق زار (صوفی) کو اس کائنات میں جو کچھ دکھائی دیتا ہے وہ اسی حقیقی ذات کا پرتو ہے۔وہ اسی سے لو لگائے رکھتا ہے۔ اس کائنات میں پیدا کی ہوئی ہر چیز سے وہ محبت کرتا ہے اور انسان جو اشرف المخلوقات اور زمین پر خلیفہ الٰہی ہے اس سے صوفی ٹوٹ کر اور بے پناہ انس رکھتا ہے۔اس لئے وہ امیر و غریب کا اور اعلیٰ و ادنیٰ کا فرق کئے بغیر تمام انسانوں سے دلی تعلق استوار کرتا اور اسکی بگڑی سنوارنے کا عزم مصمم رکھتا ہے۔ اس لئے تمام انسان اسکی طرف کھنچے چلے آتے ہیں اور اسکی آواز اور اسکی پکار کو اپنے دل کی آواز اور پکار سمجھتے ہیں اور اسکے پیغام کو دل و جان سے قبول کر کے نہ صرف حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے ہیں، بلکہ ان کی زندگیوں میں ایسا انقلاب آ جاتا ہے کہ ان کی نظر میں دنیا ہیچ ہو جاتی ہے اور انسانی گروہ کا ہر فرد محترم قرار پاتا ہے یہی تصوف کی روح ہے اور یہی انسانیت کی معراج ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی وجہ ہے کہ صوفیۂ کرام نہ دارالحکومتوں میں قیام پذیر ہوئے اور نہ ھی آبادیوں میں رھائش کے خواھاں ہوئے۔ بلکہ ان کا طریق یہ رھا کہ وہ آبادیوں سے دور پہاڑوں، جنگلوں اور دریاؤں کے غیر آباد کناروں پر اپنا مسکن قائم کرتے۔ دنیا داری اور اھل حکومت سے دور رہ کر رات بھر اللہ تعالٰی کی یاد میں منہمک رہتے .دن میں مخلوق خداوندی کو اس کے خالق حقیقی سے ملاتے اور انسانیت کی خدمت میں مصروف رھتے، انھیں نہ ستائش کی تمنا ھوتی اور نہ صلہ کی پرواہ ـ ان کی زندگی کا ایک ھی مقصد، ان کی کاوشوں کا ایک ھی صلہ ھوتا ہے کہ ان کا تعلق خالق حقیقی سے کسی لمحہ بھی ٹوٹنے نہ پائے اور ان کا پروردگار ان سے راضی ھو جائے اور ان سے محبت کرنے لگے ـ

اس پس منظر میں غور کیا جائے تو صوفیۂ کرام حکمران طبقہ اور اھل ثروت و مرتبت سے کبھی تعلقات استوار نہیں کرتے اگر انھیں اھل دنیا سے سابقہ پڑ جائے تو وہ ان سے جی نہیں لگاتے بلکہ ان سے حتی الوسع گریزاں رھتے ھیں ـ جس کا منطقی نتیجہ یہ ھوتا ہے کہ اھل دل (صوفیہ) حکمرانوں سے کوئی رابطہ قائم نہیں کرتے بلکہ یہ رابطہ ھمیشہ اھل حکومت کی طرف سے استوار کیا گیا اور صوفیۂ کرام سے درخواست کی گئی کہ حکمران و سلاطین کی مدد کی جائے اور انھیں درپیش مشکلات اور مسائل میں رھنمائی فراھم کی جائے ـ

حکمران وقت صوفیۂ کرام کی طرف اس لئے رجوع کرتے کہ علمائے کرام عام طور پر ظاھری امور پر حکم لگاتے اور شرعی احکام کی پابندی کرانے کیلئے سختی سے بھی کام لیتے۔جبکہ صوفیۂ کرام اس کے برعکس نرمی، مساوات اور رواداری کا مظاھرہ کرتے کیونکہ صوفیۂ کرام ظاھری احکام کی پابندی کیلئے سختی کرنے کی بجائے سلاطین میں اخلاقی اور باطنی روح پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ایسا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے سے ممکن ہے بعض اوقات شریعت کی گرفت ڈھیلی پڑی ہو لیکن مشائخ کے اس رویہ نے انسانوں کے دلوں کو جوڑنے کیلئے اکسیر کا کام کیا ۔ اور اسلام کی اخلاقی اور روحانی تعلیم کا جو مظاہرہ آج دیکھنے میں آتا ہے یہ سب صوفیۂ کرام کی کوشش کا رھین منت ہے۔

اھل تصوف اس حقیقت سے بخوبی واقف رھے کہ ایک عام شہری کی نسبت حکمران کی تربیت زیادہ ضروری ہے کیونکہ عام مسلمان کی اصلاح اسی تک محدود رھتی اور عام حالات میں ایک ھی انسان کی اصلاح عمل میں آتی ۔ جبکہ بادشاہ یا حکمران کی اصلاح و تربیت کے اثرات دور رس ھوتے۔اس لئے صوفیۂ کرام سلاطین کی تعلیم و تربیت اپنے عام مریدوں سے مختلف انداز میں کرتے اور بادشاھوں کو خلق خدا کی حاجت براری اور عام عدل پروری کی زیادہ تلقین کرتے چنانچہ خواجہ معین الدین چشتی کی عام تعلیم تھی کہ حاجت مندوں کی مدد کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔اگر کوئی شخص ورد و وظائف میں مشغول ھو اور حاجت مند آ جائے تو لازم ہے کہ وہ اوراد و وظائف کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ھو کر اپنے مقدور کے مطابق اس کی حاجت پوری کرے ۔ (۸)

مشائخ کرام کی تعلیم و تلقین کے یہ اثرات مرتب ھوئے کہ ھندوستان میں غزنویوں اور غوریوں نے عدل و انصاف کی جو روایت قائم کی اسے بعد کے حکمرانوں کو برقرار رکھنا پڑا کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ قطب الدین ایبک نے سخاوت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اور عدل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقلید کرنے کی کوشش کی اور ایلتتمش کی طرف سے عام اجازت تھی کہ اس کی رعایا میں سے جو شخص فاقہ کی حاجت میں ہے اسے بلا روک ٹوک اسکے ھاں لایا جائے ۔ جب بادشاہ کسی فاقہ زدہ افراد سے ملتا تو اسے اپنے پاس سے کچھ نہ کچھ مال دیتا اور اس کی غربت اور تنگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دستی کو ختم کرنے کی تدبیر کرتا ۔ مغلوں نے عدل پروری اور خلق خدا کی خدمت کی روایت کو قائم رکھا چنانچہ بابر نے اپنی تزک میں تحریر کیا ہے کہ جب اسکی فوج بھیرہ سے گذری تھی تو اسے معلوم ہوا کہ فوجیوں نے بھیرہ والوں کو ستایا ہے اور ان کی جائداد پر ہاتھ ڈالا ہے۔بابر نے ایسے سپاہیوں کو گرفتار کیا، ان کا کورٹ مارشل کیا اور ان میں سے بعض کی ناکیں کٹوائیں اور بعض کو سزائے موت تک دی ۔ اسی طرح ابوالفضل کا بیان ہے اکبر نے دن کا کچھ حصہ عدل کیلئے مخصوص کر رکھا تھا۔جبکہ جہانگیر روزانہ دو گھنٹے عوام کی شکایات سنا کرتا تھا۔ جو شبلی کی نظم ,,عدل جہانگیری،، سے بھی عیاں ہے ۔ دیگر مغل بادشاہوں کا یہ طریق کار رہا کہ وہ دیوان عام میں عوام کی شکایات سنا کرتے تھے ۔ جہاں ہر درجہ کے شہریوں کو پہنچنے اور اپنی شکایات بیان کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا ۔

مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے اسلامی دور میں صوفیۂ کرام نے حکمرانوں سے ایسے کام لئے جن کی بدولت اسلام کے معاشرتی اور سماجی احکام کا نفاذ ہوتا رہا ۔ جن کی بدولت برصغیر میں مسلمانوں کی حکومت طویل عرصہ تک قائم رہی۔

صوفیۂ کرام کی بادشاہوں کو نیکی کرنے کی تلقین اور ان کے تمام سماجی طبقوں سے براہ راست تعلقات اور ان کی روحانی تعلیمات کی بدولت ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جسے بجا طور پر عمدہ معاشرہ کہا جا سکتا ہے اور صوفیۂ کرام کے ذاتی عمل نے سماجی برائیوں کا قلع قمع کرنے کیلئے اہم کردار ادا کیا ۔

سلاطین اور صوفیۂ کرام کے تعلقات پر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں اپنی اپنی اقلیم کے بادشاہ ہوتے تھے ۔ سلاطین رعایا کے جسموں پر حکومت کرتے تو مشائخ ان کے دلوں کے حکمران ہوتے تھے اور دلوں کی حکمرانی زیادہ مضبوط اور دیرپا ہوتی ہے۔حکمران

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عام طور پر صوفیۂ کرام سے خائف رہتے اور ان کی عوامی مقبولیت سے حسد بھی کرتے ۔ بعض اهل حکومت نے یہ کوششیں بھی کیں کہ مسلمانوں کو صوفیۂ کرام سے متنفر کریں اسکے برعکس اهل تصوف اهل حکومت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے ۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق خدا سے اپنا رشتہ قائم رکھتے اور اهل حکومت سے الجھنے کی کوشش نہیں کرتے تھے ۔ بلکہ اهل حکومت کی اصلاح کی تدابیر کرتے رہتے تھے ۔

بعض اهل حکومت اور صوفیۂ کرام کے درمیان تصادم کی مثالیں بھی ملتی هیں جسکی ایک مثال سیدی مولا کا قتل ہے جو جلال الدین خلجی کے دربار میں قتل کر دیئے گئے تھے ۔ خواجہ نظام الدین اولیاء بادشاهوں سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے ۔ اس لئے ان کی اس عادت کی وجہ سے بھی اختلاف پیدا هوا لیکن واضح رهے کہ یہ اختلاف کسی نظری اور فطری مسئلہ پر نہیں بلکہ ذاتی قسم کا هوتا تھا ۔

یہ گفتگو اس وقت تک تشنہ رهے گی جب تک تعلقات کی مثلث کے تیسرے پہلو یعنی علمائے کرام اور صوفیۂ عظام کے باهمی تعلقات پر روشنی نہ ڈالی جائے ۔ بظاهر یہ موضوع بہت نازک اور الجھا هوا ہے ۔ تاهم کوشش کی جائے گی کہ اسے کم از کم الفاظ میں سمیٹا جائے ۔

علماء اور صوفیۂ کے تعلقات پر غور کرنے سے پہلے ایک امر کی وضاحت ضروری معلوم هوتی ہے کہ تصوف اسلامی تعلیمات کا حصہ ہے اور اکابر صوفیۂ کرام ایسے نہیں هوتے تھے کہ انہیں دینی تعلیم سے کوئی سروکار نہ هو اور وہ صرف تصوف کی تعلیم حاصل کرتے تھے ۔ برصغیر میں شریعت اور طریقت کی دو الگ الگ اصطلاحات استعمال کی جاتی رهیں ۔ لیکن اس کا یہ مفہوم نہیں کہ اهل تصوف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا علم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا ۔ یا اہل علم کو تصوف کے دائرہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوتی تھی بلکہ تمام بڑے بڑے صوفیۂ کرام نے باقاعدہ دینی تعلیم حاصل کی اور علمائے کرام بھی دینی تعلیم مکمل کر کے بزرگان کرام کے حلقہ ارادت میں شامل ہوتے تھے ۔ چنانچہ حضرت بختیار کاکیؒ نے تمام ظاہری علوم کی تعلیم پائی تھی ۔ حضرت بہاؤ الدین ذکریا سہروردی نے ساتوں قرأتوں کے ساتھ قرآن حکیم حفظ کیا تھا ۔ حضرت گنج شکر قرآن حکیم کے حافظ اور فقہ کے عالم تھے ۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے قدوری، حریری اور مشارق الانوار کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی ۔ اور ان کی دستار بندی میں بدایوں کے علماء اور مشائخ شریک ہوئے تھے ۔ مزید برآں تمام اہل علم، مشائخ کے مرید اور حکمران سبھی ان مشائخ کی علمیت کے قائل تھے اور ان کے تبحر علمی سے مستفید ہوتے رہے ۔

اس ابتدائی وحدت کے باوجود کچھ کم علم صوفیۂ کرام نے شریعت اور طریقت کو دو جداگانہ طریقے قرار دیا اور اپنی اس رائے پر نہ صرف اصرار کیا بلکہ بعض اوقات سختی سے کام لیا ۔ جس کے نتیجہ میں تصادم کا پہلو پیدا ہوا ۔ علماء کے صوفیہ سے اختلاف کا بڑا سبب یہ تھا کہ علمائے کرام یہ خطرہ محسوس کرتے رہے کہ طریقت اور حقیقت کی اصلاحات اس قدر عام نہ ہو جائیں کہ شریعت ان کی محتاج بن جائے یا شریعت کی بالادستی اور ہمہ گیری ختم نہ ہو جائے ۔کیونکہ صوفیۂ کرام میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جو اطاعت کے باوجود معرفت کو ضروری قرار دیتا تھا اور معرفت کے بغیر نجات کا منکر تھا ۔ اس طرح کچھ صوفیۂ کرام ایسے بھی تھے ۔ جو اپنے کو قلندر کہتے تھے ۔ لیکن فرائض ادا نہیں کرتے تھے ، نہ نماز ادا کرتے ،نہ روزے رکھتے اور نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ھی دیگر شرعی احکام کی پیروی کرتے ۔ کچھ صوفیہ اپنے کو مجذوب کے لقب سے یاد کرتے اور شریعت کی پابندی نہیں کرتے تھے ۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ عالم جنون میں ھیں اور شریعت کے احکام عاقل انسان پر نافذ ہوتے ھیں۔بعض متصوفین نہ صرف شرعی احکام کی پابندی نہ کرتے بلکہ احکام ستر تک کی پابندی بھی نہ کرتے اور عریاں پھرتے رہتے ۔ اسی طرح بعض جنس پرست اور ھوس پرست افراد نے تصوف کی آڑ لی ۔ اور عشق مجازی کو بدنام کیا اور اسکے ذریعے اپنی خواھشات کی تکمیل چاھی ۔

علمائے کرام کو یہ باتیں بالکل پسند نہ تھیں کیونکہ ان امور کا شریعت اسلامی سے کوئی تعلق نہیں تھا ۔ اسی طرح علمائے کرام ھر دور میں شریعت کی بالادستی قائم کرنے میں مشغول رھے اور اس فرض کی بجا آوری میں جو فرد، گروہ، یا قوت مزاحم ھوئی علمائے کرام نے انھیں کبھی معاف نہیں کیا ۔ بلکہ ان سب کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر میں بھی علماء اور صوفیہ میں تصادم ھوتا رھا ۔

ھماری رائے میں یہ تصادم بھی دیگر فروعی اختلافات کی طرح تھا جو ھندوستان کے مسلمانوں کے مابین نزاع اور فرقہ بندی کا سبب بنے، کیونکہ اھل طریقت اور اھل علم یا اھل شریعت جو جداگانہ گروہ نہیں ھیں، بلکہ تمام اھل تصوف یا اھل طریقت اپنی زندگیوں کا آغاز حصول علم سے ھی کرتے تھے۔شریعت کی مروجہ تعلیم مکمل کرتے اور اسکے بعد کچھ اھل علم درس و تدریس، وعظ و نصحیت، تصنیف و تالیف اور دیگر علمی کاموں میں مشغول رھتے ۔ اور وہ اصحاب علم جن کی طبیعت کا میلان تصوف کی طرف ھوتا ۔ وہ کسی نامور شیخ کی بیعت کرتے ۔ ان کے حلقہ ارادت میں داخل ھو جاتے اور شرعی امور کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ تصوف کی منزلیں طے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے رہتے ۔ اگر کوئی عالم تصوف کی مطلوبہ منازل طے کر لیتا تو اسے اپنے شیخ کی جانب سے "خلافت" کا خرقہ عطا ہوتا اور اس طرح اسے مرید کرنے کی اجازت حاصل ہو جاتی اور وہ شخص صوفی قرار پاتا ۔ لیکن بنیادی طور پر ایسا شخص عالم ہوتا تھا ۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ شریعت پر عمل کئے بغیر طریقت کا حصول مشکل ھی نہیں ناممکن ہے ۔ کیونکہ تمام اکابر صوفیۂ کرام یہی کہتے رہے کہ جس طرح آفتاب سے روشنی جوہر سے عرض اور موصوف سے صفت الگ نہیں کی جا سکتی اسی طرح شریعت حقیقت سے الگ نہیں کی جا سکتی ۔ چنانچہ خواجہ معین الدین چشتی یہ تعلیم دیتے رہے کہ صوری حیثیت سے اخلاق کی تعلیم یہ ہے کہ سالک اپنے ہر کردار میں شریعت کا پابند ہو اور جب اس سے کوئی بات خلاف شریعت سرزد نہ ہوگی تو وہ دوسرے مقام پر پہنچے گا جس کا نام طریقت ہے ۔

حضرت خواجہ صدرالدین عارف فرمایا کرتے تھے کہ ایمان کی استقامت کی علامت یہ ہے کہ بندہ اللہ اور اسکے رسول کو محبوب رکھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام پیغمبروں سے افضل سمجھے اور جو کچھ آپ نے فرمایا اسکو صحیح اور درست سمجھے خواہ یہ باتیں عقل میں آئیں یا نہ آئیں ۔ اگر نہ آئیں تو بھی ان کو تسلیم کرے تاکہ اعتقاد درست رہے ۔ کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم کو جانا اور اسکی کیفیت معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی ۔

حضرت شرف الدین یحیی منیری رحمہ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں تحریر کیا ہے کہ شریعت کے بغیر راہ سلوک میں قدم رکھنا جہالت اور ہلاکت ہے شریعت سے طریقت اور طریقت سے حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ایک سالک کو شریعت سے واقفیت نہیں تو وہ طریقت اور حقیقت سے آگاھی حاصل نہیں کر سکتا،حقیقت بغیر شریعت کے زندقہ، شریعت بغیر طریقت کے نفاق ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عبدالقدوس گنگوھی شریعت کے بہت پابند تھے اور اپنے تقویٰ میں ان تمام چیزوں سے پرھیز کرتے تھے جن کی شرعی حیثیت ذرا بھی مشکوک ھوتی وہ عام قصابوں کا ذبیحہ نہ کھاتے تھے کیونکہ وہ عموماً نمازی نہیں ھوتے تھے ۔

ان تمام حقائق سے یہ بات واضح ھو جاتی ہے کہ اسلام میں شریعت کو بنیادی مقام حاصل ہے اور شریعت یعنی اسلام کے فرائض اور بنیادی احکام کو پس پشت ڈال کر جو بھی طریقہ یا راستہ اختیار کیا جائے وہ گمراھی کی طرف لے جاتا ہے۔تاھم شریعت کے احکام کو عملی جامہ پہنانے اور تعلق باللہ کو مضبوط کرنے کیلئے طریقت اور حقیقت کا راستہ معاون ثابت ھوتا ہے ۔ اس لئے علماء اور صوفیہ میں نہ کوئی اختلاف ہے اور نہ ھی تصادم بلکہ یہ دونوں گروہ درحقیقت انسان کی اصلاح کرنے اور خالق و مخلوق کے رشتہ کو مضبوط بنانے میں کوشاں ھیں ۔

علماء اور صوفیہ کے مابین برصغیر میں خصوصاً اور عالم اسلام میں عموماً دو مسائل وجہ اختلاف بنے۔ان میں سے ایک مسئلہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشھود کا ہے جبکہ دوسرے کا تعلق قوالی یا نعت و مدح کا آلات موسیقی کے ساتھ سننے سے ہے۔یہ دونوں مسائل اگرچہ ایمان کا حصہ نہیں ھیں تاھم ان پر بہت زور دیا گیا ۔ اور ان فروعی اختلافات نے علمی اور روحانی دنیا کے ان دونوں گروھوں میں اس طرح کی خلیج پیدا کر دی جسے پاٹنا آسان کام نہیں ۔

اس کتاب کے مطالعہ سے مذکورہ تینوں طبقوں کے احوال اور تعلقات کے علاوہ مسلمانوں کی تہذیبی زندگی، اسلامی ثقافت کی نشوونما، ھندو مسلم تعلقات اور برصغیر میں مروجہ علوم سے آگاھی حاصل ھوتی ہے ۔ نیز اس کتاب کے ذریعے بےشمار علماء، صوفیہ اور مشائخ کے حالات و تعلقات تک رسائی ممکن ھوئی اور بہت سی کتب اور ان کے مصنفین کے کوائف بھی محفوظ ھو گئے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحب کتاب کے طرز تحریر کا جائزہ لیا جائے تو اس کے دو پہلو نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں ۔ ان میں سے ایک کا تعلق مواد کی جمع بندی اور اسکی پیش کاری ہے جبکہ دوسرے کا تعلق اسلوب بیان اور زبان سے ہے۔

فاضل مصنف نے جس مذہبی ماحول اور علمی فضا میں اس نازک موضوع پر قلم اٹھایا اس کا تقاضا تھا کہ میسر مواد کا گہرا مطالعہ کیا جائے ۔ اور اس مواد کا تجزیہ کر کے ان حقائق کو ثابت کیا جائے جن سے چشم پوشی کی گئی ۔ فاضل مصنف نے تجزیہ کرتے وقت عام طور پر بے لاگ محاکمہ کیا اور تاریخی حقائق سے چشم پوشی یا حالات کا غلط رخ اپنانے سے جو غلط فہمیاں اہل علم کے ہاں پیدا ہو چکی تھیں ، انھیں دور کرنے کی مصنف نے کامیاب کوشش کی ہے اور اس کتاب کے ذریعے یہ حقیقت بڑی حد تک ثابت کر دی گئی ہے کہ مسلمان حکمران، علماء اور مشائخ نے برصغیر میں دین اسلام اور انسانیت کی خدمت کی بلند پایۂ مثالیں قائم کیں ۔ اور مولانا سید صباح الدین عبدالرحمن نے ایک حقیقت پسند مؤرخ کی طرح ان انسانی کوتاھیوں اور لغزشوں کا اعتراف کیا جو بعض حکمرانوں سے سرزد ہوئیں لیکن مجموعی طور پر انھوں نے اسلام کی انسانی خدمت اور مسلمانوں کی رواداری کو ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

جہاں تک زبان و بیان کا تعلق ہے اس باب میں فاضل مصنف درجہ کمال تک پہنچے ہوئے ہیں ۔ وہ بہت آسان اور رواں زبان لکھتے ہیں ۔ تاہم فاضل مصنف نے بعض الفاظ اس طرح استعمال کئے ہیں کہ وہ اب متروک معلوم ہوتے ہیں ۔ جیسے فاضل مصنف نے زیر نظر کتاب میں لفظ ,,اولادوں،، جابجا استعمال کیا ہے ، ظاہر ہے لفظ اولاد عربی زبان کا لفظ ہے جو ولد کی جمع ہے اسے ,,اولادوں،، لکھنا کم از کم اب متروک ضرور ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختصر الفاظ میں بیان کیا جائے تو کتاب ,,ھندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر،، اردو ادب میں ایک عمدہ اضافه ہے۔ جس کے مطالعه سے برصغیر میں اسلام کی نشوونما اور معاشرے کے تین بڑے طبقوں کے باھمی تعلقات کھل کر سامنے آتے ھیں۔ جن کی بدولت اس خطه میں اسلام کو فروغ ملا اور جن کی مساعی سے مسلمانوں کا تشخص قائم رھا۔ اور آج تک قائم ہے۔

حواله جات

١۔ سید صباح الدین عبدالرحمن ، هندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ، ص ٧

٢۔ قرآن حکیم، سورۂ نساء آیت نمبر ٧٧ قل متاع الدنیا قلیل

٣۔ شاه ولی الله ۔ انفاس العارفین(اردو ترجمه سید محمد فاروق) سلسله معارف ۔ طبع لاهور، ١٣٩٣ھ

۴۔ قلقشندی الصبح الدعنی ج ۵ ص ٦٩ ، امیریه ، ١٩١٨ء

۵۔ یه ایک مشهور مقوله ہے جس کا مطلب ہے که عوام اپنے بادشاهوں کے طریقے اپناتے هیں۔

٦۔ صباح الدین عبدالرحمن ، هندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ ، ص ٦٠

٧۔ یوسف سلیم چشتی، تاریخ تصوف، ص ١٣، لاهور، علماء اکیڈمی ، ١٩٧٦ء

٨۔ سید صباح الدین عبدالرحمن، هندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ، ص ١٠٠

●●●

© rasailojaraid.com

rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com